Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 11 | November 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
November 30, 2026

# The Prophetic Framework for Political Relations and Its Contemporary Relevance: A Study in the Context of the Treaty of Hudaybiyyah

سیاسی تعلقات سے متعلق نبی کریم ﷺ کا منہج واسلوب اور اس کی عصری معنویت (صلح حدیبیہ کے تناظر میں)

**Muhammad Hamad**
Ph.D. Scholar, Qurtuba University of Science & Information Technology, D.I. Khan
**Email:** m.hamadsadiq786@gmail.com

**Prof. Dr. Fazli Ilahi Khan**
Professor, Qurtuba University of Science & Information Technology, D.I. Khan

## Abstract

This study examines the Prophetic framework and methodology concerning political relations and its contemporary relevance in the context of the Treaty of Hudaybiyyah. It explores the political, diplomatic, and strategic wisdom demonstrated by Prophet Muhammad (ﷺ) in dealing with political challenges, negotiating with opposing forces, and establishing peaceful relations. Following the migration to Madinah, the Prophet (ﷺ) laid the foundations of an organized political community through the Charter of Madinah, which emphasized mutual cooperation, justice, religious freedom, and collective responsibility. The study particularly focuses on the Treaty of Hudaybiyyah (6 AH) as a significant example of Prophetic political wisdom and diplomatic leadership. It analyzes four major dimensions of this methodology: gradual and long-term political strategy, internal unity and collective commitment as demonstrated through Bay'at al-Ridwan, conciliatory negotiation and diplomatic engagement, and political insight guided by divine revelation. The research adopts a descriptive and analytical approach to examine the historical circumstances, negotiations, terms, and consequences of the treaty. The findings reveal that the Prophet's (ﷺ) political approach was characterized by patience, foresight, flexibility, commitment to principles, and preference for peaceful resolution over unnecessary confrontation. Although some conditions of the treaty initially appeared unfavorable to Muslims, its long-term consequences created opportunities for the expansion of Islam and ultimately paved the way for the Conquest of Makkah. The study concludes that the Treaty of Hudaybiyyah offers enduring guidance for contemporary political leadership, international diplomacy, conflict resolution, national unity, and the establishment of peaceful relations. Its principles remain relevant for addressing modern political challenges through dialogue, strategic patience, mutual understanding, and collective interests.

**Keywords:** Prophetic Political Methodology, Political Relations, Treaty of Hudaybiyyah, Prophetic Diplomacy, Bay'at al-Ridwan, Charter of Madinah, Peaceful Negotiations, Political Wisdom, Contemporary Relevance, Conflict Resolution


CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 11 | November 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
November 30, 2026

نبی کریم ﷺ کی مدینہ منورہ آمد صرف ایک جغرافیائی نقل مکانی ہی نہیں تھی، بلکہ انسانی تاریخ کی ایک ہمہ گیر تبدیلی کا آغاز بھی تھا۔ ہجرت کے بعد سب سے پہلا اور بنیادی مسئلہ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کا تھا جو نسلی، قبائلی، مذہبی اور ثقافتی لحاظ سے متنوع مگر غیر منظم تھا۔ یثرب کی فضا انصار کے دو بڑے قبائل اوس و خزرج کی طویل خانہ جنگیوں، یہودی قبائل کی معاشی بالادستی، اور مہاجرین کی معاشرتی ناآشنائی سے گھتم گتھا تھی۔ ان حالات میں نبی کریم ﷺ نے جو پہلا بڑا اقدام اٹھایا وہ "میثاقِ مدینہ" کی صورت میں سامنے آیا۔ ایک ایسی آئینی دستاویز جو اپنے فکری، قانونی اور سیاسی مضمرات کے اعتبار سے عالمگیر نوعیت کی حامل ہے۔

میثاقِ مدینہ نہ صرف ریاست مدینہ کا پہلا دستور تھا بلکہ اسلامی سیاسی نظریہ کی اولین تحریری تعبیر بھی تھی۔ اس میں مذہبی آزادی کو بنیادی حیثیت دی گئی، اقلیتوں کو مساوی حقوق دیے گئے، اور سب فریقین کو اجتماعی دفاع، عدالتی انصاف اور معاہداتی وفاداری کے اصولوں پر جمع کیا گیا۔ امتِ واحدہ کا تصور یہاں محض مذہبی بنیاد پر نہیں بلکہ معاہداتی شہریت کی اساس پر سامنے آیا، جو جدید ریاست کے نظریۂ شہری مساوات سے غیر معمولی ہم آہنگی رکھتا ہے۔ اس معاہدے کے ذریعے نبی کریم ﷺ نے مدینہ کے قبائلی معاشرے کو ایک "سیاسی وحدت" میں بدلا اور ایک ہمہ گیر ریاستی نظم کی بنیاد رکھ دی۔[1] تاہم ریاستی استحکام کا یہ اقدام قریش مکہ کی نگاہ میں ناقابلِ برداشت تھا۔ وہ جو خود کو عرب کی مذہبی، تجارتی اور سیاسی طاقت تصور کرتے تھے، اب مدینہ کی شکل میں ایک نئی اور نظریاتی ریاست کے ابھرنے سے خائف ہو چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اثر و رسوخ سے مدینہ کے اطراف قبائل کو مشتعل کیا، تجارتی ناکہ بندی کی، اور ایک مستقل جنگی فضا قائم کر دی۔ اس پس منظر میں اسلامی ریاست نے صرف دفاعی حکمت عملی ہی نہیں اپنائی بلکہ داخلی اتحاد، سماجی نظم، اور اقتصادی خود کفالت جیسے بنیادی مسائل پر بھی تدبر اور عمل کا آغاز کیا۔

قریش کے بڑھتے ہوئے خطرے کے جواب میں پہلا بڑا عسکری معرکہ غزوہ بدر کی صورت میں پیش آیا۔ یہ معرکہ محض ایک جنگ نہیں تھا، بلکہ ایک ابھرتی ہوئی نظریاتی ریاست اور ایک زوال پذیر مشرکانہ قوت کے درمیان تصادم تھا۔ اگرچہ مسلمان تعداد اور وسائل میں قلیل تھے، لیکن قیادت، نظم و ضبط، ایمان، اور اخلاقی جواز ان کے ساتھ تھا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔[2]

اس تاریخی فتح نے ریاست مدینہ کو نہ صرف خارجی سطح پر شناخت دی بلکہ داخلی سطح پر بھی ریاستی نظم اور قیادت کی مرکزی حیثیت کو مستحکم کیا۔ قریش نے اس شکست کو بدلے کی آگ میں تبدیل کیا اور اگلے برس غزوہ اُحد کے ذریعے مدینہ پر چڑھائی کی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو وقتی پسپائی کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اس سے جو داخلی تربیت حاصل ہوئی وہ کسی بھی عسکری فتح سے کم نہ تھی۔ اُحد نے سیاسی قیادت، عسکری نظم، اور عوامی اطاعت کی وہ بنیاد فراہم کی جو آئندہ ریاستی استحکام کے لیے


CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 11 | November 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
November 30, 2026

ناگزیر تھی۔ یہ واقعہ اسلامی ریاست میں خود احتسابی، سبق آموزی اور قیادت کے تحت تنظیم کی اہمیت کو اُجاگر کرتا ہے۔اسی دوران میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کا ایک نیا باب اس وقت کھلا جب مدینہ کے یہودی قبائل نے عہد شکنی کی راہ اپنائی۔ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بالآخر بنو قریظہ نے قریش اور دیگر دشمن قبائل کے ساتھ خفیہ اتحاد قائم کیا، جو کہ نہ صرف ریاستی سکیورٹی بلکہ آئینی اصولوں کے بھی خلاف تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان معاملات کو محض قوت کے ذریعے نہیں بلکہ عدل، مشاورت اور آئینی ضوابط کے تحت حل کیا۔ان قبائل کے خلاف جو فیصلے صادر ہوئے، وہ آئینی معاہدے کی حرمت، ریاستی خود مختاری، اور سماجی عدل کی بنیاد پر استوار تھے۔

پانچویں ہجری میں ریاست مدینہ کو اب تک کی سب سے بڑی عسکری آزمائش کا سامنا کرنا پڑا جب قریش، یہودی قبائل اور عرب کے دیگر دشمن گروہوں نے مشترکہ طور پر مدینہ پر حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنایا۔اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے عسکری تدبیر اور حکمت عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خندق کھدوائی، جس نے دشمن کے حملے کو محدود کر دیا۔اس محاصرے کے دوران مسلمانوں کا صبر، تنظیم، اور قیادت پر اعتماد قریش اور ان کے حلیفوں کے لیے ایک نفسیاتی شکست بن گیا۔ دشمن پسپا ہوئے، اور ریاست مدینہ مزید مضبوط بن کر ابھری۔[3]

ان تمام عسکری کامیابیوں کے بعد نبی کریم ﷺ کی سیاسی حکمت عملی کا اگلا مظاہرہ صلح حدیبیہ کی شکل میں سامنے آیا۔ سن 6 ہجری میں آپ نے عمرہ کے لیے مکہ جانے کا ارادہ فرمایا، مگر قریش نے راستہ روک لیا۔ایک کشیدہ ماحول میں انتہائی حساس گفتگو و شنید اور مذاکرات کے بعد وہ معاہدہ طے پایا جسے "صلح حدیبیہ" کہا جاتا ہے۔ اگرچہ بظاہر اس کی بعض شرائط مسلمانوں کے حق میں بالکل نامعقول دکھائی دیتی تھیں، تاہم اس معاہدے نے اسلامی ریاست کو وہ سیاسی، معاشرتی اور مذہبی وسعت عطا کی جس نے دعوتِ اسلامی کو جزیرہ نما عرب میں ہر طرف پھیلنے کا موقع دیا۔ قرآن کریم نے اس صلح کو "فتح مبین" قرار دیا، اور تاریخ نے اسے ریاستی تدبر کا روشن باب تسلیم کیا۔

ذیل میں صلح حدیبیہ اور اس کے پس منظر، نبی کریم ﷺ کا اس صلح میں سیاسی منہج و اسلوب اور اس کو عصری معنویت کو تفصیل سے بیان کیا جارہا ہے۔

## واقعہ حدیبیہ کا پس منظر

سن 6 ہجری میں نبی کریم ﷺ نے ایک خواب دیکھا جس میں آپ نے خود کو اور اپنے صحابہ کرام کو مسجد الحرام میں داخل ہوتے ہوئے اور وہاں طواف کرتے ہوئے پایا۔ سب لوگ امن و سکون کے ساتھ عمرہ اور طواف کر رہے تھے، بعض اپنے سروں کا حلق کرا رہے تھے اور بعض صرف بال ترشوا رہے تھے۔[4]


OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 11 | November 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
November 30, 2026

نبی کریم ﷺ نے جب یہ خواب اپنے صحابہ کرام سے بیان فرمایا تو وہ بے حد خوش ہوئے، کیونکہ چھ سال سے بیت اللہ کی زیارت کی جو خواہش ان کے دلوں میں موجزن تھی، وہ اب پوری ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ آپ اور صحابہ کرام نے یہ خواب اسی سال کی بشارت سمجھا اور پر جوش انداز میں عمرہ کے لیے تیاری شروع کر دی۔

نبی کریم ﷺ نے نہ صرف مدینہ میں بلکہ قرب وجوار کے قبائلی علاقوں میں بھی اعلان فرمایا کہ وہ اس سال عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہو رہے ہیں۔ آپ نے یہ بھی واضح فرمایا کہ یہ سفر جنگ کے ارادے سے نہیں بلکہ خالصتاً عمرہ کی نیت سے ہو رہا ہے۔ اگرچہ اکثریت مہاجرین وانصار نے شوق سے اس دعوت پر لبیک کہا، لیکن بہت سے اعراب نے مختلف عذر پیش کرتے ہوئے اس سفر میں شرکت سے گریز کیا۔[5]

نبی کریم ﷺ نے مدینہ سے روانگی سے قبل حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتومؓ یا بعض روایات کے مطابق حضرت نُمَیلہ بن عبداللہ لیثیؓ کو مدینہ منورہ کا نگران ونائب مقرر فرمایا۔ پھر آپ نے مقام ذوالحلیفہ سے احرام باندھا، اپنی قربانی کے جانوروں کو نشانی کے طور پر شعار کیا اور تقریباً 1400 صحابہ کرامؓ کے قافلے کے ساتھ بیت اللہ کی طرف روانہ ہو گئے۔[6]

## قریش مکہ کا ردِ عمل اور ابتدائی تصادم کی کیفیت

جب قریش مکہ کو اطلاع ملی کہ نبی کریم ﷺ ایک بڑے قافلے کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مکہ آ رہے ہیں، تو انہوں نے اس پیش رفت کو اپنے اثر ورسوخ کے خلاف ایک کھلا چیلنج تصور کیا۔ فوراً ایک مجلسِ شوریٰ منعقد کی گئی جس میں فیصلہ ہوا کہ ہر قیمت پر نبی کریم ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو بیت اللہ سے روکا جائے گا، چاہے اس کے لیے جنگی اقدام ہی کیوں نہ کرنے پڑیں۔ قریش نے خالد بن ولید (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کو دو سو گھڑ سواروں کی قیادت سونپی اور انہیں کُراع الغمیم کے مقام پر تعینات کر دیا۔ یہ جگہ مدینہ سے مکہ جانے والے قافلوں کی مرکزی شاہراہ پر واقع تھی۔[7]

نبی کریم ﷺ کو جب دشمن کی اس پیش بندی کا علم ہوا تو آپ نے براہِ راست تصادم سے گریز کرتے ہوئے ایک پر پیچ اور دشوار گزار راستہ اختیار فرمایا، اور ثنیۃ المرار نامی ایک گھاٹی سے گزرتے ہوئے قافلے کو حدیبیہ کے مقام پر پہنچایا۔

حدیبیہ ایک تاریخی کنواں تھا جس کے گرد و نواح کا علاقہ اسی نام سے جانا جاتا تھا۔ یہاں پہنچ کر نبی کریم ﷺ کی اونٹنی قَصواء بیٹھ گئی اور آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ بعض صحابہ کرام نے خیال ظاہر کیا کہ قصواء تھک کر رک گئی ہے یا اڑ گئی ہے، لیکن نبی کریم ﷺ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: "قصواء نہ اڑی ہے، نہ یہ اس کی عادت ہے، بلکہ اسے اسی ذات نے روکا ہے جس نے ہاتھی والوں کو روکا تھا۔"


OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 11 | November 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
November 30, 2026

پھر آپ نے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر قریش مجھ سے ایسی کوئی شرط پیش کریں گے جس سے شعائرِ الٰہی کی حرمت متاثر نہ ہو، تو میں اسے ضرور قبول کروں گا۔[8]"

## قریش کے ساتھ ابتدائی سفارتی روابط

جبنبی کریم ﷺ نے حدیبیہ میں قیام اختیار فرمایا اور قافلہ پُرامن انداز میں خیمہ زن ہو گیا، تو قریش کی طرف سے جنگی تیاریوں کی خبریں مسلسل موصول ہو رہی تھیں۔ اسی دوران بنو خزاعہ کے ایک بزرگ اور نبی کریم ﷺ کے خیر خواہ بدیل بن ورقاء خزاعی قریش کے احوال سنانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قریش کے معاملات اور ان کی موجودہ کیفیت آپ کے سامنے بیان کی۔[9]

نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: "ہم کسی سے لڑنے کے لیے نہیں آئے بلکہ محض بیت اللہ کا طواف اور عمرہ کرنے آئے ہیں۔ قریش مسلسل جنگوں کی وجہ سے تھک چکے ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو میں ان سے ایک مدت کے لیے صلح کر لیتا ہوں۔ وہ میرے اور عام لوگوں کے درمیان سے ہٹ جائیں، پھر اگر اللہ مجھے غلبہ دے تو وہ میری اطاعت قبول کر لیں گے، اور اگر وہ اس مدت میں کوئی برتری حاصل کر لیں تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

یہ پیغام نہ صرف امن و مصالحت کا مظہر تھا بلکہ ایک مدبر اور دور اندیش قائد کی عظیم الشان سیاسی بصیرت کا غماز بھی تھا۔ بدیل بن ورقاء یہ پیغام لے کر قریش مکہ کے پاس گئے اور نہ صرف نبی کریم ﷺ کی بات پہنچائی بلکہ انہیں اس صلح کی دانشمندی پر قائل کرنے کی بھی کوشش کی۔

قریش مکہ اضطراب میں تھے، انہوں نے بات چیت کے لیے پے در پے تین نمائندے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجے:

1. مکرز بن حفص — نبی کریم ﷺ نے اس کو آمد کو اچھا نہیں سمجھا تھا۔
2. حُلیس بن علقمہ کنانی — جو کہ اہلِ حرم کے نگرانوں میں سے تھے، یہ ایک اچھے انسان تھے، لیکن ان کی گفتگو شنید نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی۔
3. عروہ بن مسعود ثقفی — ان کی قریش اور طائف دونوں میں بڑی عزت تھی۔ لیکن ان کی بات چیت بھی فیصلہ کن ثابت نہ ہو سکی۔

ان تمام افراد کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے وہی صلح آمیز موقف دہرایا جو بدیل بن ورقاءؓ کو فرمایا تھا: "کہ ہم جنگ کے لیے نہیں بلکہ صرف عبادت کے لیے آئے ہیں، اور اگر قریش صلح چاہتے ہیں تو ہم مدتِ معاہدہ کے لیے تیار ہیں۔[10]"

ان سفیروں نے جب واپس جا کر قریش کو صورتحال سے آگاہ کیا تو ان میں سے بعض نے کھلے لفظوں میں قریش کو نبی کریم ﷺ کی بات ماننے کی ترغیب دی، کیونکہ وہ مسلمانوں کی یکجہتی، نظم و ضبط، نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام کا ادب و وفا اور آپ کی عظمت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔


OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 11 | November 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
November 30, 2026

## حضرت عثمانؓ کا سفارتی مشن اور بیعتِ رضوان کا پس منظر

جب نبی کریم ﷺ نے قریش کے نمائندوں کے ساتھ ابتدائی بات چیت کے باوجود خاطر خواہ پیش رفت نہ دیکھی تو آپ نے فیصلہ فرمایا کہ قریش کے ساتھ براہِ راست گفت و شنید کے لیے ایک ایسے فرد کو بھیجا جائے جو قریش کے قبائلی نظام اور رسم و رواج سے واقف ہو، اور جسے مکہ میں داخلے کی اجازت بھی آسانی سے مل سکے۔ اس مقصد کے لئے پہلے پہل آپ نے حضرت عمر کو مکہ بھیجنے کا ارادہ کیا لیکن ان کی طرف سے عذر سامنے آنے کے بعد آپ نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو منتخب فرمایا، جو قریش کے معزز خاندان بنوامیہ سے تعلق رکھتے تھے۔[11]

حضرت عثمانؓ سعید بن عاص کی امان میں مکہ مکرمہ پہنچے اور قریش کے سرداروں سے ملاقات کی۔ آپؓ نے نبی کریم ﷺ کا پُرامن پیغام ان الفاظ میں پہنچایا کہ: "ہم صرف عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں، جنگ کی کوئی نیت نہیں رکھتے۔ بیت اللہ تمام انسانوں کا مشترکہ مقدس مرکز ہے، لہٰذا ہمیں اس میں عبادت سے نہ روکا جائے۔" قریش نے پیغام سنا اور حضرت عثمانؓ کو پیشکش کی کہ چونکہ وہ خود مکی ہیں، اس لیے اگر وہ چاہیں تو طواف کر سکتے ہیں۔ مگر حضرت عثمانؓ نے واضح طور پر انکار کر دیا اور فرمایا: "جب تک رسول اکرم و نبی مجتبیٰ ﷺ خود طواف نہ کریں، میں بھی نہیں کروں گا۔" یہ جواب حضرت عثمانؓ کی غیر معمولی وفاداری، اخلاص اور قیادت سے بے مثال محبت کا ثبوت تھا۔

حضرت عثمانؓ کی یہ سفارتی کوشش بظاہر مکمل ہو چکی تھی، لیکن قریش نے انھیں مکہ میں روک لیا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ قریش اس پر مشورہ کر رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ کے پیغام کا حتمی جواب کیا دیا جائے اور حضرت عثمانؓ کو وہ جواب دے کر واپس روانہ کیا جائے۔ تاہم جب حضرت عثمانؓ کی واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہوئی تو مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ یہ خبر سن کر پورے لشکر میں غم، بے چینی اور شدید غصے کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت عثمانؓ نہ صرف نبی کریم ﷺ کے معتمد سفیر تھے، بلکہ آپ کے قریبی صحابی، داماد اور اسلام کے ممتاز بزرگوں میں سے تھے۔ ان کی شہادت کی خبر مسلمانوں کے لیے ایک ناقابلِ برداشت سانحہ تھی۔ مزید براں یہ کہ سفارتی نمائندے کا قتل کسی قوم کے لیے اعلانِ جنگ کے مترادف ہوتا ہے۔

## بیعتِ رضوان

اس نازک لمحے میں نبی کریم ﷺ نے غیر معمولی قائدانہ حکمت عملی کا مظاہرہ فرمایا۔ آپ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو جمع فرمایا اور ان سے بیعت لینے کا ارادہ کیا۔ یہ ایک ایسی بیعت تھی جو نہ صرف حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کے عزم کا اعلان تھی بلکہ مسلمانوں کے باہمی اتحاد، اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قربانی کے جذبے


OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 11 | November 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
November 30, 2026

کا عملی مظہر بھی تھی۔ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بیعت پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے سورۃ الفتح میں اس پر مہر توثیق ثبت کی اس لئے اس بیعت کو "بیعت رضوان" بھی کہا جاتا ہے۔[12]

اس بیعت میں آپ کے صحابہ کرام نے آپ کے دست حق پر اس بات کا اقرار کیا کہ جب تک حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ نہ لے لیا جائے، وہ حدیبیہ کے مقام سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ یہ عہدِ وفاداری دراصل "بیعت علی الموت" تھا۔ صحابہ کرامؓ نے نہایت اخلاص، محبت اور جوش کے ساتھ اس بیعت میں حصہ لیا۔ سبقت کرنے والوں میں حضرت ابوسنان اسدیؓ نے آگے بڑھ کر سب سے پہلے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ نے اس بیعت میں تین مرتبہ شریک ہو کر اس جذبے کو دہرایا، ایک بار ابتدا میں، پھر درمیان میں صفوں کے گرد گھومتے ہوئے، اور آخر میں دوبارہ عہد کر کے۔ کئی کمزور، ضعیف اور زخمی صحابہ بھینبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور اپنی شرکت کو یقینی بنایا، گویا ہر دل عہد و وفا کی گواہی دے رہا تھا۔ اس موقع پر جب حضرت عثمانؓ غیر حاضر تھے، نبی کریم ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا: "یہ عثمان کی طرف سے بیعت ہے۔"[13]

یہ عمل نہ صرف حضرت عثمانؓ کی نمائندگی کا اعلان تھا، بلکہ ان کے مقام و مرتبہ اور نبی کریم ﷺ کی ذات سے ان کی قربت کا ایک عملی ثبوت بھی تھا۔ اس منظر نے صحابہ کے جذبات کو اور بلند کر دیا اور دشمن پر واضح کر دیا کہ مسلمان اب کسی بھی قربانی سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

## قریش کا ردِ عمل

قریش مکہ کو جب بیعتِ رضوان کی خبر ملی اور یہ اندازہ ہوا کہ مسلمان اب لڑائی کے لیے مکمل طور پر تیار ہیں اور ان کے اتحاد کا جذبہ ناقابل شکست ہے، تو وہ خوف اور اضطراب میں مبتلا ہو گئے۔ انہیں اندازہ ہو گیا کہ اگر معاملہ مزید بگڑا تو نتیجہ ان کے لیے خطرناک ہو سکتا ہے۔ اسی لیے انہوں نے فوراً سہیل بن عمرو کو بطور سفیر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا تاکہ معاملے کو جنگ کی نوبت سے پہلے حل کیا جا سکے، یوں وہ صلح حدیبیہ کی ابتدائی گفت و شنید کا آغاز ہوا۔

## صلح حدیبیہ

جب سہیل بن عمرو حدیبیہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا: "اللہ نے تمہارے معاملے میں آسانی پیدا کر دی ہے، یہ شخص صلح کی نیت سے آیا ہے۔"[14]

سہیل بن عمرو اور نبی کریم ﷺ کے درمیان مفصل گفت و شنید ہوئی، جس میں قریش کی شرائط اور مسلمانوں کی خواہشات زیر بحث آئیں۔ بالآخر فریقین ایک معاہدے پر متفق ہو گئے، جو بعد میں صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہوا۔


CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 11 | November 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
November 30, 2026

## صلح حدیبیہ کی اہم شرائط

1۔ "نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی اس سال مکہ میں داخل نہیں ہوں گے، بلکہ اگلے سال تین دن کے لیے عمرہ ادا کرنے آئیں گے"
2۔ "قریش اور مسلمانوں کے درمیان دس سال کے لیے جنگ بندی طے پائی، جس دوران کوئی فریق دوسرے کے خلاف جنگ نہیں کرے گا"
3۔ "عرب کے قبائل کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہیں تو قریش کے ساتھ معاہدہ کریں یا مسلمانوں کے ساتھ"
4۔ "اگر مکہ کا کوئی شخص اسلام قبول کر کے مدینہ آئے گا تو نبی کریم ﷺ اسے واپس کر دیں گے"
5۔ "لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس پناہ لے تو وہ اسے واپس نہیں کریں گے"[15]

یہ آخری شرط بظاہر ظلم اور عدم مساوات پر مبنی معلوم ہوتی تھی، اور بہت سے صحابہ کرامؓ کو اس پر تکلیف ہوئی، خصوصاً حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے جذبات کا اظہار بھی کیا۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

**"کیا آپ حق پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں" حضرت عمرؓ بولے: "تو پھر ہم ذلت کیوں برداشت کریں" آپ نے جواب دیا: "میں اللہ کا رسول ہوں، اور اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا، وہی میری مدد فرمائے گا۔"**

یہی سوال حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے بھی کیا، تو انہوں نے عظیم جواب دیا "وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور جو کچھ کر رہے ہیں، وہی حق ہے۔ اُن کی اطاعت ہی میں خیر ہے۔"[16]

خیر! اس کیفیت میں جب مسلمان بظاہر شکست و مایوسی محسوس کر رہے تھے، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں سورۃ الفتح نازل فرمائی جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس صلح کو "فتح مبین" قرار دیا۔ صحابہ کرامؓ حیران ہوئے کہ "یہ کیسی فتح ہے؟" حالانکہ بظاہر وہ مکہ میں داخل نہ ہو سکے تھے اور صلح کی کچھ شرائط بھی ان کو ذلت آمیز محسوس ہو رہی تھیں۔ لیکن اگلے ہی سال عمرۂ قضا کی صورت میں مکہ کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھل گئے، اور صرف دو سال بعد مکہ فتح ہو گیا، جو اس صلح کا براہِ راست نتیجہ اور "فتح مبین" کا عملی مظہر تھا۔[17]

## نبی کریم ﷺ کا منہج واسلوب اور اس کی عصری معنویت

### ا۔ تدریجی سیاسی حکمت عملی

- **منہج واسلوب:**

نبی کریم ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر جن شرائط کو قبول فرمایا، ان میں سے بعض بظاہر مسلمانوں کے لیے تکلیف دہ تھیں، مثلاً اس سال عمرہ کی اجازت نہ ملنا یا مکہ سے آنے والے نو مسلموں کو واپس کر دینا۔ مگر آپ نے وقتی رکاوٹ کو دور اندیشی کے ساتھ قبول کیا اور ان شرائط پر صبر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی


CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 11 | November 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
November 30, 2026

کریم ﷺ کی سیاست تدریجی مراحل سے گزرتی تھی۔ آپ نے وقتی مصیبت پر رضامندی ظاہر کر کے ایک دیرپا اور مضبوط بنیاد رکھی۔ صلح حدیبیہ کے بعد قریش کے ساتھ جنگ کے بجائے معاہدے کی صورت میں جو سیاسی وسعت پیدا ہوئی، اس نے دینِ اسلام کے پھیلاؤ کو غیر معمولی وسعت عطا کی۔ آپ کا یہ طرزِ عمل بتاتا ہے کہ آپ کی حکمت عملی فوری ردعمل پر نہیں، بلکہ تحمل، صبر اور طویل المدت نتائج پر مبنی تھی۔

- **عصری معنویت:**

نبی کریم ﷺ نے صلح حدیبیہ کی شرائط، باوجود اس کے کہ وہ بظاہر سخت اور غیر مساوی تھیں، تدبر اور دور اندیشی سے قبول فرمائیں۔ آپ نے وقتی مفادات کو پس پشت ڈال کر مستقبل کے عظیم نتائج کو مدنظر رکھا۔ یہی صلح فتح مکہ کا پیش خیمہ بنی اور اسلام کو عرب کے اندر وسیع پیمانے پر پھیلنے کا موقع ملا۔ آج کی تحریکات اور اسلامی تنظیموں کو اس منہج سے سیکھنا چاہیے کہ جذباتی ردعمل کے بجائے دانشمندانہ تدریج اختیار کی جائے، اور وقتی نقصان کو بڑی کامیابی کے لیے قربان کیا جائے۔

## ب۔ داخلی اتحاد اور نمائندہ بیعت

- **منہج واسلوب:**

حضرت عثمانؓ کی غیر موجودگی میں جب ان کے قتل کی افواہ پھیلی تو نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور بیعت لینے کا فیصلہ فرمایا۔ یہ بیعت، جسے "بیعتِ رضوان" کہا جاتا ہے، صرف حضرت عثمانؓ کے خون کے بدلے کا عہد نہیں تھا بلکہ اطاعت، وفاداری، اور اجتماعی اتحاد کا مظہر تھا۔ "بیعت علی الموت" کی اس شکل نے نہ صرف مسلمانوں کو قیادت کے تحت یکجا کیا بلکہ دشمن پر بھی واضح کیا کہ مسلمان اپنی قیادت کے فیصلے اور اپنی تحریک کے مقصد سے کسی بھی قیمت پر پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ عمل کہ آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت فرمائی، اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ قیادت میں نمائندگی، استحقاق، اور عزتِ رفاقت جیسے اصولوں کو مکمل طور پر سمجھتے اور عملی طور پر نافذ کرتے تھے۔

- **عصری معنویت:**

"بیعتِ رضوان" اس بات کی دلیل ہے کہ جب قیادت خالص ہو، مقصد واضح ہو، اور قوم اس پر اعتماد کرے، تو اس اتحاد کو کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو "بیعت علی الموت" کے لیے آمادہ فرمایا اور خود حضرت عثمانؓ کی نمائندگی کرتے ہوئے قیادت کی ذاتی شمولیت کو ثابت کیا۔ آج جب مسلم دنیا داخلی خلفشار کا شکار ہے، یہ بیعت ہمیں یاد دلاتی ہے کہ ایک نظریاتی قیادت اور مخلص قوم باہم مل کر ایک ناقابل شکست قوت بن سکتی ہے۔ قومی اتحاد اور اعتماد ہی سیاسی استحکام کی اصل بنیاد ہے۔


CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 11 | November 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
November 30, 2026

## ج۔ مفاہمانہ مذاکراتی قیادت

- **منہج واسلوب:**

سہیل بن عمرو سے صلح کی شرائط پر گفت وشنید کے دوران نبی کریم ﷺ نے انتہائی بردباری، حکمت اور بصیرت کا مظاہرہ فرمایا۔ جب صلح نامے کے مسودے میں "محمد رسول اللہ" لکھا گیا اور سہیل بن عمرو نے اس پر اعتراض کیا تو آپ نے حضرت علی سے فرمایا کہ "محمد بن عبداللہ" لکھ دو۔ جب حضرت علیؓ نے ہچکچاہٹ کا اظہار کیا تو آپ نے خود اپنے دست مبارک سے "رسول اللہ" کو مٹا دیا۔[18] یہ عمل قیادت کے اس اسلوب کی نشاندہی کرتا ہے جہاں جذبات پر عقل غالب ہو، اور ذاتی حیثیت کو اجتماعی مصلحت پر قربان کر دیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے کسی بھی موقع پر معاملے کو بگڑنے نہیں دیا، بلکہ ایسی تمام باتوں پر خاموشی اختیار کی جو معاہدے کے بڑے فائدے کے مقابلے میں اس وقت رکاوٹ کا سبب بن سکتی تھیں۔ آپ نے معاملہ فہمی، رواداری، اور عزیمت و حکمت کے امتزاج سے صلح کو ممکن بنایا۔

- **عصری معنویت:**

آپ نے صلح کے متن سے "رسول اللہ" کا عنوان حذف کر کے دکھایا کہ قیادت کا وقار ذاتی القابات سے نہیں بلکہ قومی فائدے سے جڑا ہوتا ہے۔ آج کے سیاسی و مذہبی قائدین کے لیے یہ طرزِ عمل مشعل راہ ہے کہ وہ اختلاف کو تصادم کے بجائے فہم وتدبر سے نمٹائیں۔ مفاہمت ہی قیادت کی پختگی اور معاملہ فہمی کی علامت ہے۔

## د۔ وحی پر مبنی سیاسی بصیرت

- **منہج واسلوب:**

صلح حدیبیہ کے بعد بعض صحابہ کرامؓ کو اس بات پر اضطراب ہوا کہ ہم مکہ میں داخل نہ ہو سکے اور معاہدہ کی بعض شرائط غیر مساوی محسوس ہوئیں۔ مگر نبی کریم ﷺ نے صبر وسکون کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "میں اللہ کا رسول ہوں، وہ میری رہنمائی فرما رہا ہے۔" اسی موقع پر سورۃ الفتح نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس صلح کو "فتح مبین" قرار دیا۔ یہ حقیقت اس امر کی غماز ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سیاسی حکمت عملی صرف عقلی تدبر پر نہیں، بلکہ وحی کی روشنی میں متعین ہوتی تھی۔ جب بظاہر حالات مسلمانوں کے خلاف نظر آ رہے تھے، تب بھی آپ نے اللہ کے وعدے پر مکمل یقین رکھتے ہوئے معاملے کو اس طرح آگے بڑھایا کہ نتیجہ کامل کامیابی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہ منہج بتاتا ہے کہ نبوی قیادت کا اصل سرچشمہ وحیِ الٰہی تھا، جس سے حکمت، یقین، اور استقامت کا وہ سرچشمہ پھوٹتا ہے جو دنیا کی کسی اور قیادت میں نہیں پایا جاتا۔


CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 11 | November 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
November 30, 2026

- **عصری معنویت:**

صلح حدیبیہ کے بعد جب صحابہ کرام کے درمیان بظاہر ناکامی کا احساس پھیلا تو نبی کریم ﷺ نے اپنی قیادت کو وحی الٰہی کی روشنی سے سنوارا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح نازل فرمائی جس کے ذریعے اس سیاسی فیصلے کو "فتح مبین" قرار دیا گیا اور یوں ثابت ہوا کہ قیادت کی اصل طاقت ظاہری نتائج میں نہیں بلکہ نظریاتی استقامت اور روحانی بصیرت میں ہوتی ہے۔ آج کی دنیا جسے صرف انتخابی اعداد و شمار اور دنیاوی جیت ہار کی فکر ہے، وہاں اسلام یہ سکھاتا ہے کہ قیادت وہی ہے جو وحی، تقویٰ اور اخلاص کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

## خلاصۃ البحث

صلح حدیبیہ کا مطالعہ اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سیاسی بصیرت ظاہری نتائج کی اسیر نہیں تھی، بلکہ وحیِ الٰہی کی روشنی، اصولوں کی پاسداری اور دوررس مقاصد پر قائم تھی۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد میثاقِ مدینہ کے ذریعے ایک متنوع اور منتشر معاشرے کو سیاسی وحدت میں ڈھالا گیا، پھر بدر، اُحد اور خندق کے مراحل نے ریاست کو دفاعی، داخلی اور اخلاقی اعتبار سے پختہ کیا۔ انہی مراحل کے بعد حدیبیہ کا موقع آیا جہاں آپ ﷺ نے تلوار کے بجائے مذاکرات کا راستہ اختیار فرمایا اور ایسی صلح قبول کی جو بظاہر دب کر کی گئی تھی، مگر حقیقت میں فتحِ مکہ اور دعوتِ اسلام کی ہمہ گیر وسعت کا زینہ ثابت ہوئی۔

اس معاہدے میں نبوی منہج کے چار نمایاں پہلو سامنے آتے ہیں: تدریجی حکمتِ عملی، بیعتِ رضوان کی صورت میں داخلی اتحاد، مفاہمانہ مذاکراتی قیادت، اور وحی پر مبنی سیاسی بصیرت۔ سورۃ الفتح میں اس صلح کو "فتحِ مبین" قرار دیا جانا اس امر کی دلیل ہے کہ کامیابی کا اصل پیمانہ ظاہری جیت ہار نہیں بلکہ نظریاتی استقامت اور روحانی بصیرت ہے۔ یوں صلح حدیبیہ محض ایک تاریخی معاہدہ نہیں، بلکہ سیاسی حکمت کا ایک زندہ نصاب ہے جو آج بھی رہنمائی کی صلاحیت رکھتا ہے۔

## نتائج البحث

اس تحقیق سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

1. نبی کریم ﷺ کی سیاست تدریج پر مبنی تھی۔ آپ ﷺ نے حدیبیہ میں وقتی طور پر ناگوار شرائط کو صبر و تحمل سے قبول کر کے دیرپا کامیابی کی بنیاد رکھی۔ جس صلح کو بعض صحابہ کرامؓ نے ابتداءً گراں جانا، وہی عمرۂ قضا اور پھر فتحِ مکہ کا پیش خیمہ بنی۔
2. بیعتِ رضوان اس امر کا ثبوت ہے کہ جب قیادت مخلص ہو، مقصد واضح ہو اور جماعت کو قائد پر کامل اعتماد ہو تو داخلی اتحاد ایسی قوت بن جاتا ہے جو فریقِ مخالف کو مصالحت پر آمادہ کر دیتی ہے۔ قریش کا سہیل بن عمرو کو صلح کے لیے بھیجنا اسی اتحاد کے اثر کا نتیجہ تھا۔
3. حضرت عثمانؓ کی غیر موجودگی میں اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر ان کی طرف سے بیعت فرمانا اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ نبوی قیادت میں نمائندگی، رفاقت اور ہر فرد کے مقام و مرتبے کی پاسداری کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔


CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 11 | November 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
November 30, 2026

4. "رسول اللہ" کے الفاظ مٹانے پر آمادگی سے ثابت ہوتا ہے کہ مفاہمانہ قیادت میں ذاتی القاب اور ظاہری وقار کو اجتماعی مصلحت پر قربان کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے معاہدے کے بڑے مقصد کو جزوی اعتراضات کی نذر نہیں ہونے دیا۔
5. سفارتی رابطوں کی ترتیب (بدیل بن ورقاء کے ذریعے پیغام، قریشی نمائندوں سے گفتگو، اور حضرت عثمانؓ کا مشن) اس بات کی غماز ہے کہ آپ ﷺ نے جنگ سے پہلے ہر ممکن پُرامن ذریعہ آزمایا، اور اپنا موقف ہر مرحلے پر واضح اور یکساں رکھا۔
6. سورۃ الفتح کا نزول اور صلح کو "فتحِ مبین" قرار دینا اس بات کی تصدیق ہے کہ نبوی سیاسی حکمتِ عملی کا سرچشمہ وحیِ الٰہی تھا، اور ظاہری حالات کے برعکس بھی نتیجہ کامل کامیابی کی صورت میں ظاہر ہوا۔
7. صلح حدیبیہ کے اصول آج بھی معنویت رکھتے ہیں، کیونکہ ان میں جذباتی ردعمل کے بجائے حکمت، تصادم کے بجائے مفاہمت، اور انفرادی ناموری کے بجائے اجتماعی مفاد کو ترجیح دینے کا درس موجود ہے۔

## سفارشات

نتائج کی روشنی میں درج ذیل سفارشات پیش خدمت ہیں:

1. مسلم تحریکوں اور تنظیموں کو چاہیے کہ وہ سیاسی ودعوتی حکمتِ عملی میں فوری ردعمل کے بجائے تدریج، صبر اور طویل المدت نتائج کو پیشِ نظر رکھیں، اور وقتی نقصان کو بڑے مقصد کے لیے برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کریں۔
2. امتِ مسلمہ کے قائدین اپنے اختلافات کو تصادم کے بجائے مکالمے اور مفاہمت کے ذریعے حل کریں، اور ذاتی ناموری یا گروہی مفاد کو قومی وملی مفاد پر قربان کرنے کی روایت کو فروغ دیں۔
3. داخلی اتحاد کے لیے قیادت اور عوام کے درمیان اعتماد کی فضا قائم کی جائے، اور قیادت خود ذاتی شمولیت اور رفاقت کا وہ نمونہ پیش کرے جو بیعتِ رضوان میں نظر آتا ہے۔
4. بین الاقوامی سفارت کاری اور بین المذاہب و بین الاقوامی تعلقات میں صلح حدیبیہ کو بطور نمونہ سامنے رکھا جائے، اور معاہدات کی پاسداری، بات چیت کے تسلسل اور واضح موقف کے اصولوں کو اپنایا جائے۔
5. تعلیمی و تحقیقی اداروں میں سیرتِ طیبہ کے سیاسی و سفارتی پہلوؤں پر مزید تحقیق کی جائے، اور صلح حدیبیہ کو محض تاریخی واقعے کے طور پر نہیں بلکہ قیادت اور سیاسی تدبر کے عملی مطالعے کے طور پر نصاب کا حصہ بنایا جائے۔
6. ہر سیاسی و اجتماعی فیصلے میں وحی، تقویٰ اور اخلاص کو بنیاد بنایا جائے، تاکہ کامیابی کا پیمانہ محض دنیاوی جیت ہار نہ رہے بلکہ نظریاتی استقامت اور روحانی بصیرت قرار پائے۔


CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 11 | November 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
November 30, 2026

## حوالہ جات

[1] ابن ہشام، عبدالملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، مصطفیٰ البابی الحلبی، قاہرہ، 1375ھ/1955ء ج2، ص147-150
[2] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری، دار طوق النجاۃ، بیروت، 1422ھ/2001ء کتاب المغازی، ج5، ص60
[3] الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، دار التراث، بیروت، 1387ھ/1967ء ج2، ص565-575
[4] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الصلح، ج5، ص100 (بحوالہ بالا)
[5] ابن ہشام، عبدالملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج2، ص308 (بحوالہ بالا)
[6] ابن سعد، محمد بن سعد الزہری، الطبقات الکبریٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1410ھ/1990ء، ج2، ص95
[7] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1408ھ/1988ء ج4، ص164
[8] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الصلح، ج5، ص100 (بحوالہ بالا)
[9] ابن ہشام، عبدالملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج2، ص312 (بحوالہ بالا)
[10] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الصلح، ج5، ص100 (بحوالہ بالا)
[11] ابن ہشام، عبدالملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج2، ص316 (بحوالہ بالا)
[12] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری، کتاب المغازی، ج5، ص80 (بحوالہ بالا)
[13] مسلم بن حجاج القشیری، الجامع الصحیح للمسلم، دار طوق النجاۃ، بیروت، 1436ھ/2014ء، کتاب الامارۃ، ج5، ص180
[14] ابن ہشام، عبدالملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج2، ص317 (بحوالہ بالا)
[15] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الصلح، ج5، ص100-102 (بحوالہ بالا)
[16] ایضاً
[17] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، ج4، ص172 (بحوالہ بالا)
[18] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الصلح، ج5، ص100 (بحوالہ بالا)


CC BY